www.ia.com.pk

انسان کے لیے تباہی و بربادی کی بات اس سے زیادہ کوئی نہیں کہ تعلیم شروع کی مخالفت کرنے لگے فلاطون

سالانہ — چیف ایڈیٹر: ایس اے خان — لاہور

اتحادِ اساتذہ

CPL NO. 318

جلد 20 | دسمبر 2018ء، قیمت 300 روپے سالانہ | شمارہ 12

بلوچستان اسمبلی نے "بلوچستان گورنمنٹ ایمپلائز بینوولینٹ فنڈ بل 2018ء" کی منظوری دیدی، ایکٹ 1960ء منسوخ ہوگیا

نئے رولز کے مطابق گورنمنٹ ملازمین کو بلحاظ عہدہ 40 لاکھ تک رقم ایکسٹینشن ریٹائرمنٹ پر دی جائیگی

دوران ملازمت وفات پانے والے ملازمین کے ورثاء کو یہ رقم دی جائیگی۔ 10 سروس کے بعد ریٹائرمنٹ پر کوئی گریجوایٹ گریڈ 17 کو 20 لاکھ، گریڈ 18 کو 28 لاکھ، گریڈ 19 کو 34 لاکھ، گریڈ 20 کو 40 لاکھ ملیں گے

گریڈ 17 والوں کی کٹوتی 3300، گریڈ 18 والوں کی 4400، گریڈ 19 والوں کی 5700، جبکہ گریڈ 20 والوں کی 7000 روپے ہوگی، گریڈ 15 سے اوپر والوں کی دیگر گرانٹس ختم

کوئٹہ (اتحاد اساتذہ نمائندہ خصوصی) بلوچستان کی صوبائی اسمبلی نے گورنمنٹ ایمپلائز بینوولینٹ فنڈ بل 2018ء کی منظوری دیدی۔ اسمبلی میں پیش کردہ بل کے مطابق 1960 کا ایکٹ منسوخ کر دیا گیا۔ نئے رولز کے مطابق ریٹائرمنٹ پر کوئی گریجوایٹ گریڈ 17 کو 20 لاکھ، گریڈ 18 کو 28 لاکھ، گریڈ 19 کو 34 لاکھ، گریڈ 20 کو 40 لاکھ ملیں گے۔ گریڈ 17 والوں کی کٹوتی 3300، گریڈ 18 والوں کی 4400، گریڈ 19 والوں کی 5700، جبکہ گریڈ 20 والوں کی 7000 روپے ہوگی، گریڈ 15 سے اوپر والوں کی دیگر گرانٹس ختم

صفحہ نمبر 1

وائس چانسلر بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ڈاکٹر طاہر امین نے استعفیٰ دیدیا

ان پر مالی کرپشن، بے ضابطگیوں، گروہ پروری اور اختیارات سے تجاوز کے درجنوں الزامات تھے، نیب میں کیسز چل رہے تھے، ہائر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ اور ایچ ای سی سے انکوائریاں شروع ہو رہی تھیں

گزشتہ برس دل کا آپریشن ہوا، دو تین ماہ قبل اقدام خودکشی کیا، بے ہوشی کی حالت میں بروقت طبی امداد کے سبب بچ گئے، ان کی جماعت کے مخصوص ٹولے نے تین سال خوب استعمال کیا

ان کے دور کو BZU کے سیاہ دور کے طور پر یاد رکھا جائے گا، البتہ ان تین سال میں خاص مذہبی جنونی طلباء تنظیم اور خاص ذہنی رجحان کے اساتذہ کو تقویت ملی

ملتان (اتحاد اساتذہ خصوصی) ان سال قبل یہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی میں ایک تاریخ رقم ہوئی جب ایک وائس چانسلر کو ہائر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ اور ایچ ای سی نے اپنا عہدہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے قبل وائس چانسلر کی تعیناتی کے بعد ان کے خلاف بدعنوانی کے الزامات سامنے آنے لگے تھے۔ نیب میں مالی کرپشن کے کیسز چل رہے تھے۔ ہائر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ اور ایچ ای سی سے انکوائریاں شروع ہو رہی تھیں۔ ان پر گروہ پروری اور اختیارات سے تجاوز کے درجنوں الزامات تھے۔ گزشتہ برس دل کا آپریشن ہوا، دو تین ماہ قبل اقدام خودکشی کیا، بے ہوشی کی حالت میں بروقت طبی امداد کے سبب بچ گئے، ان کی جماعت کے مخصوص ٹولے نے تین سال خوب استعمال کیا۔ ان کے دور کو BZU کے سیاہ دور کے طور پر یاد رکھا جائے گا، البتہ ان تین سال میں خاص مذہبی جنونی طلباء تنظیم اور خاص ذہنی رجحان کے اساتذہ کو تقویت ملی

صفحہ نمبر 18

164 کالج اساتذہ (مردانہ) کا تبادلہ، من پسند سٹیشنز پر تعیناتیاں

99 لیکچررز، 53 اسسٹنٹ پروفیسر اور 12 ایسوسی ایٹ پروفیسر شامل ہیں

اسلام آباد (اتحاد اساتذہ خصوصی) کالج اساتذہ کا تبادلہ کر دیا گیا۔ 164 کالج اساتذہ (مردانہ) کا تبادلہ کر دیا گیا۔ ان میں 99 لیکچررز، 53 اسسٹنٹ پروفیسر اور 12 ایسوسی ایٹ پروفیسر شامل ہیں۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر شامل تھے۔ یہ تبادلے اساتذہ کی من پسند سٹیشنز پر تعیناتیاں تھیں۔ ان میں سے بعض کی

صفحہ نمبر 3

نامور فلسفی پروفیسر ڈاکٹر امین کو جاپان کا سب سے بڑا ایوارڈ

ایوارڈ ان کی علمی خدمات پر دیا گیا، موصوف سابق فائز مین شعبہ فلسفہ ہیں

ریاض (اتحاد اساتذہ خصوصی) کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے پروفیسر شریف فلسفی کو جاپان کا سب سے بڑا ایوارڈ THE ORDEN OF RISING SUN دیا گیا۔ موصوف سابق فائز مین شعبہ فلسفہ ہیں۔ ایوارڈ ان کی علمی خدمات پر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز پاکستان اور جاپان کے درمیان ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے ک

ماہانہ
اتحادِ اساتذہ
لاہور

اعزازی مجلس ادارت
• پروفیسر ظفر علی خان • محمد عارف • حافظ عبدالخالق ندیم • رانا اسلم پرویز
• سید باقر علی شاہ • ضیاء المصطفیٰ • عامر رفیق • چودھری محمد اصغر علی • حسن رشید
• ڈاکٹر معین الدین مرزا • ڈاکٹر مزمل حسین • غنی نیازی • ظہور احمد بھٹی

برائے رابطہ: پبلشر ایس اے خان نے ایشیاء پریس لاہور سے چھپوا کر مکان نمبر 4 گلی نمبر 33 اٹھتری روڈ نزد دھرمپورہ لاہور سے شائع کیا

انسانی تاریخ کا اگلا قدم۔۔۔ڈیجیٹل انقلاب

درپیش حالات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے کوئی فرد یا ادارہ جو تدابیر و حکمت عملی یا اسلوب کار استعمال کرتا ہے۔ "پالیسی" کہلاتا ہے۔ کامیاب پالیسی کیلئے حالات کا معروضی ادراک اور جائزہ ضروری ہے لیکن صرف ادراک اور جائزہ کافی نہیں اس کے لئے ٹھوس اقدامات بھی درکار ہیں۔ حالات کے درست ادراک کیلئے لازم ہے کہ زمان و مکان اور بر سر عمل عوامل کو فوری اور چھوٹے تناظر کے ساتھ ساتھ بڑے اور وسیع تناظر میں دیکھا جائے۔

انسانی معاشرہ خوراک، لباس، رہائش کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی جدوجہد میں سادہ سے پیچیدہ شکلیں اختیار کرتا رہا ہے اور کرتا جا رہا ہے۔ ماقبل تاریخ کے دور میں خوراک (کھیتی) کرنے، شکار، محدود ستر پوشی اور دستیاب پناہ گاہوں میں گزر اوقات کرتا رہا ہے خوراک (پیدا) کرنے کا عمل ایک چھلانگ کی حیثیت ثابت ہوا۔ جانوروں کو سدھانے، پالنے، ان سے خوراک حاصل کرنے اور انکی طاقت کو استعمال کرنے سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ سادہ زراعت سے وسیع پیمانے پر گلہ بانی اور زراعت نے فروغ پایا۔ پورے کرہ ارض پر زراعتی سماج وجود میں آ گیا۔ اوزاروں اور ہتھیاروں میں ترقی سے زرعی طور پر ترقی یافتہ سماج نے شکار اور خوراک اکٹھا کرنے والے گروہوں کو قصہ پارینہ بنا دیا۔ اس دور میں غلام داری سماج وجود میں آیا۔ معاشرہ غلام اور آقا کے طبقات میں بٹ گیا۔ غلاموں کی مسلسل بغاوتوں اور انکی تعداد میں اضافے کی بنا پر ان کو غلام رکھنا فائدہ مند اور ممکن نہ رہا۔ پیداوار ناکافی ہو گئی۔ اس لئے غلاموں کو "آزاد" کر دیا گیا۔ نئی تقسیم مزارع اور جاگیردار کی بنی۔ بادشاہتیں سلطنتیں اسی دور میں پروان چڑھیں۔ زراعتی نقل و حمل میں ترقی، تجارت کے پھیلاؤ، زرعی سماج کی نظریاتی بنیادوں کے کمزور پڑنے اور ابھرتے ہوئے تاجر اور سرمایہ دار طبقے کی توانائی کے ذریعے صنعتی انقلاب کی داغ بیل ڈالی۔ زرعی سماج کا ڈھانچہ آگے بڑھتے ہوئے یورپی ممالک میں متزلزل ہو گیا۔ اسکی جگہ تاجر اور صنعتی سرمایہ دار نے لے لی۔ صنعتی سماج میں زراعت ثانوی حیثیت اختیار کر گئی۔ معیشت کی اساس صنعتی پیداوار ہو گئی۔ سماج مزدور اور سرمایہ دار کے طبقات میں بٹ گیا۔ بڑے بڑے صنعتی کارخانے قائم ہوئے۔ صنعتی پیداوار نے زندگی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ سرمایہ داروں اور مزدوروں کی آویزش نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔ صنعتی پیداوار زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو گئی۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور نت نئی ایجادات نے کرہ ارض کی شکل بدل دی۔

جب پیداواری بنیاد بدلتی ہے تو پہلے سے قائم پیداواری بنیاد پر اوپری ڈھانچہ رفتہ رفتہ اپنا اثر اور فعالیت کھوتا جاتا ہے۔ نئے پیداواری عمل نئے رشتوں کا تقاضہ کرتے ہیں۔ نئی پیداواری، تکنیکی اور ملکیتی تنظیموں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پرانے ڈھانچے میں نئے پیداواری عمل کی ضرورتیں خاطر خواہ طور پر پوری نہیں ہوتیں۔ اس لئے یہ دور ایک طرح سے بحرانی دور ہوتا ہے۔

آج صنعتی دور اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ اس کی کوکھ سے ایک نیا انقلاب جنم لے رہا ہے۔ اسے معلوماتی انقلاب یا ڈیجیٹل انقلاب کہہ سکتے ہیں۔ انسانی تاریخ کا اگلا باب یہی انقلاب لکھنے جا رہا ہے۔

بہت سے تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ 2025ء تک 8 بلین لوگ انٹرنیٹ کی رسائی حاصل کر لیں گے۔ ٹیکنالوجی لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑ رہی ہے۔ طبقے، رنگ، نسل، مذہب، جنس کی تفریق کے بغیر ہر ایک کی دوسرے تک رسائی ممکن ہو رہی ہے۔ اس سے پیشتر اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ مستقبل کی ملازمتیں کیسی ہوں گی۔ ایک اندازے کے مطابق عالمی سطح پر ایجاد اور خودکاری 5 سے 12 فیصد ملازمتیں ختم کر دے گی۔ گو اگلے دس سالوں میں ایسی نئی ملازمتیں وجود میں آئیں گی جو نئی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ہوں گی۔ وہ نئی صلاحیتوں والے لوگوں کو ملازم رکھوائیں گی۔ ان کیلئے بالکل دوسری طرح کی صلاحیتیں اور مہارتیں درکار ہوں گی۔ ان کے لئے تکنیکی جانکاری، پیچیدہ مسائل حل کرنے کی صلاحیت، تنقیدی سوچ، مستقل مزاجی، ذہنی ہم آہنگی کے ذریعے معروضی ادراک کی صلاحیتیں درکار ہوں گی۔

اختراع اور جدت کے اثرات پوری دنیا میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بنگلہ دیش میں کپڑے کے کارخانے خودکار ہو رہے ہیں ملازمتیں اب لاکھوں کی بجائے ہزاروں میں رہ گئی ہیں۔ دوسری طرف مختلف ممالک میں بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے ہر سال ملین ملازمتوں کی ضرورت ہے۔

اس متضاد صورت حال کا صرف ایک حل ہے کہ ملک کی معیشت کی ترقی کیلئے لوگوں پر سرمایہ کاری کی جائے۔ کیونکہ صرف باصلاحیت پیچیدہ صورت حال سے نپٹنے والا، جدید ٹیکنالوجی کا ماہر، تخلیقی ذہانت والا آدمی ہی اس بدلتی ہوئی معیشت میں کارآمد ہو سکتا ہے۔ ایسے افراد تیار کرنے کیلئے لوگوں پر سرمایہ کاری یعنی انکی صحت اور تعلیم پر سرمایہ کاری ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم جدید دور میں ترقی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

اگر پچھلے 25 سالوں میں اقتصادی ترقی کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ممالک جنہوں نے پچھلے 25 سالوں میں اپنے انسانی سرمائے کو بہتر بنایا ہے بمقابلہ ان ممالک کے جنہوں نے اپنے انسانی سرمائے پر توجہ نہیں دی اور کمتر رکھا ہے ان کی جی ڈی پی میں 1.4 فیصد اضافہ ہوتا رہا ہے۔

انسانوں میں پوشیدہ امکانات کو اجاگر کرنے کیلئے ان کی انکی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کے لئے ان کی صحت اور تعلیم پر توجہ ضروری ہے۔ گو صحت اور تعلیم دونوں ترقی اور نشوونما کے لئے لازم ہیں۔ لیکن صحت بنیادی عنصر ہے۔ تعلیم صلاحیتوں کو نکھارنے کا عمل ہے لیکن صحت وہ بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر کہ تعلیم تعمیر کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ بنیاد خدانخواستہ ہو تو نشوونما کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً غربت کی بنا پر "انسانی سرمائے" کا بحران بچپن ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ بچپن میں کم اور ناقص خوراک کی بنا پر بچوں کی ذہنی و جسمانی نشوونما رک جاتی ہے۔ ان کے دماغ صحیح طور پر نمو نہیں پاتے۔ اسی لئے وہ زندگی میں نارمل بچوں کے ساتھ نہیں چل پاتے کیونکہ وہ ساختیاتی طور پر ناکامی کا شکار ہوتے ہیں۔ عام صحت مند زندگی سے عاری غربت و عسرت ان کا مقدر ہوتی ہے۔ دنیا میں ہر سال 100 ملین لوگ غربت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ 155 ملین بچے "اسٹنٹنگ" (Stunting) کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یعنی انکی ذہنی اور جسمانی نشوونما رک جاتی ہے۔ اقوام متحدہ کے بھوک کے میزانیے کے مطابق 119 ممالک میں جنوبی ایشیاء اور "سب صحرائی افریقہ" میں بھوک کی شرح اعلیٰ ترین سطح پر 30.9 اور 29.4 ہے۔ وطن عزیز جنوبی ایشیاء کے ممالک میں صرف افغانستان سے اوپر ہے اور ہمارا GHI (گرسنگی انڈکس) اسکور 32.6 ہے۔ ہمارے ہاں 5 سال سے کم عمر کے بچوں میں 45 فیصد نشوونما کی رکاوٹ (Stunting) کا شکار ہو رہے ہیں۔ جن میں 2 ملین بچوں کا ہر سال اضافہ ہو جاتا ہے۔

صحت کے میزانیے کے علاوہ تعلیم کا گراف بھی قابل فخر نہیں ہے۔ 25 ملین بچے سکولوں سے باہر ہیں۔ جن میں 2 ملین بچوں کا ہر سال اضافہ ہو جاتا ہے۔ تعلیم پر خرچ جی ڈی پی کا صرف 1.8 سے 2.2% ہوتا ہے جبکہ کم از کم خرچ 4 فیصد ہونا چاہئے۔ پاکستان میں شرح خواندگی صرف 58 فیصد ہے یعنی 42 فیصد آبادی ناخواندہ ہے۔ یونیورسٹیوں میں سے کوئی یونیورسٹی دنیا کی اعلیٰ یونیورسٹیوں کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔ پرائمری سے یونیورسٹیوں تک کے نصابات تجدید اور تبدیلی چاہتے ہیں۔ اساتذہ کی کارکردگی میں اضافے کیلئے تربیت اور اعلیٰ اکیڈمک ترقی کے مواقع ناکافی ہیں۔

تعلیم کے اساسی پیمانے میں وسیع تر تبدیلیوں جیسے خودکار ریت، روبوٹکس، مصنوعی ذہانت، معلوماتی ٹیکنالوجی کے ذریعے ہونے والے پیداواری، رسل و رسائل اور نقل و حمل کے وسیلوں میں نت نئی پیش رفتوں جیسے موضوعات کو جگہ دینے کی ضرورت ہے۔

صحت اور تعلیم کے شعبوں کو دیگر تمام شعبوں پر فوقیت دینے کی ضرورت ہے۔ ان میں سرمایہ کاری آنے والے دور کیلئے ایسی افرادی قوت پیدا کر سکے گی جو بدلتے ہوئے عالمی منظرنامے میں اقتصادی ترقی، خوش حالی اور قوموں کی برادری میں اپنا مقام حاصل کر سکے گی۔ ڈیجیٹل انقلاب تیزی سے تمام سطحوں سے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لئے جا رہا ہے۔ اس کے مضمرات کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر کوئی ملک ایک متوازن اور خوشحال معاشرہ تشکیل نہیں دے سکتا۔

قائداعظم کی شخصیت

ڈاکٹر مبارک علی

جناح صاحب کی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں اور صفات تھیں کہ جن کی وجہ سے سیاستدانوں اور مورخوں کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ ان کے اردگرد افسانوں، کہانیوں اور افواہوں کا ایک ہالہ بنا کر انہیں ایک مقدس بنا دیں اور انہیں ایک ایسی شخصیت میں تبدیل کر دیں کہ جس کا تعلق حقیقت سے نہ ہو۔ جناح صاحب کے کردار کے اہم پہلو یہ تھے کہ وہ خود تنہائی پسند تھے، کم بولتے تھے اور اپنے نجی معاملات میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان کے ذاتی تعلقات میں بھی دوری کا احساس رہتا تھا، شاید وہ کبھی کسی سے دل تو بہت قریب ہوئے اور نہ ہی کسی کو اپنی زندگی کے رازوں میں شریک کیا۔ شاید اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اپنے اردگرد ایسی فضا قائم رکھنا چاہتے ہوں کہ جو ان کی شخصیت کو پارعب اور دبدبہ والی بنا دے اس سلسلے میں ہندوستان کے پہلے ہائی کمشنر سری پرکاش کے تاثرات قابل ذکر ہیں کہ جو انہوں نے اپنی کتاب "پاکستان: قیام اور ابتدائی عہد" میں لکھے ہیں۔ یہ اس استعجابیہ کا ذکر ہے کہ جو آزادی کے بعد مرتبہ سفارت کاروں کے اعزاز میں دیا گیا تھا۔ اس استعجابیہ میں مسلم لیگ کے رہنما اور اہم بیوروکریٹس بھی شامل تھے۔ سری پرکاش کا کہنا ہے کہ جناح صاحب دور ایک صوفہ پر اکیلے بیٹھے ہوئے تھے اور جن افراد سے انہیں ملنا ہوتا تھا، انہیں ایک ایک کر کے بلاتے تھے اور پانچ منٹ کی گفتگو کے بعد اسے رخصت کر دیتے تھے اس کو دیکھ کر ہائی کمشنر کا تاثر یہ تھا کہ جناح صاحب بہت اکیلے ہیں، اور ان میں تنہائی کا احساس اس شدت کے ساتھ ہے کہ وہ لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ وہ افراد بھی جو ان سے مل کر آتے تھے اور ان سے تھوڑی بہت بات چیت کرتے تھے، ان کے چہروں پر بھی سنجیدگی طاری تھی، جس سے اندازہ ہوا کہ ماحول میں خشکی اور زندگی کے بجائے خاموشی اور اداسی ہے۔

جناح صاحب کے کردار کی اس خصوصیت کی وجہ سے لوگوں میں یہ خیال تھا کہ ہر معاملہ میں ان کی رائے آخر ہوتی ہے۔ مسلم لیگ اور ان کے رہنماؤں در حقیقت ریاستپ کی طرح ہیں کہ جو بلا کسی دلیل اور حجت کے ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے جناح صاحب کو مسلمانوں اور مسلم لیگ کا "تنہا ترجمان" (Sole Spokesman) کہا گیا۔

ویسے تو تاریخ میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر عظیم آدمی کے بارے میں ایسی روایات تکلیل دی جاتی ہیں کہ جو اسے دوسروں سے افضل اور برتر بنا دے۔ جناح صاحب بھی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکے۔ ان کے عقیدت مندوں نے، اور بعض نے اپنے سیاسی و ذاتی مفادات کی غرض سے ان کے بارے میں بہت باتیں مشہور کر دی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ان کی بیماری کے بارے میں ہے جسے وہ فرانسیسی مصنفوں، لیری کولنس (Larry Collins) اور ڈومینک لاپیئر (Dominique Lapiere) اپنی کتاب "فریڈم ایٹ مڈنائٹ" (آزادی رات میں آزادی) میں رومانی انداز میں لکھا ہے۔ ان کے ان کے مطابق "اگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن، جناح اور نہرو، اور جناح کا کوئی اور 1947ء میں اس اہم راز سے واقف ہو جاتے، تو ہندوستان کی تقسیم کو روک سکتا تھا۔ یہ راز بھورے رنگ ایک فلم کی شکل میں تھا، یہ وہ فلم تھی کہ جو دستانی سیاست میں ہونے والی تبدیلی، تاریخ، معاشرہ اور ایشیا کی تاریخ کے رُخ کو یقینی طور پر تبدیل کر سکتی تھی۔ لیکن یہ راز اس قدر حقیقی تھا اور اس کی اس قدر حفاظت کی گئی کہ برطانوی ہائی کمشنر آئی۔ ڈی جوکر دنیا کی بہترین تحقیقاتی ایجنسی تھی، وہ بھی اس کے وجود سے بے خبر رہی"۔

یہ حوالہ جناح صاحب کے ان ایکسرے رپورٹس کے بارے میں ہے کہ جن میں ٹی۔ بی کے مرض کی تشخیص کی گئی تھی۔ اس پورے بیان کو ڈرامائی انداز میں بیان کرنے کے بعد مصنفوں نے مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"مرض اس قدر بڑھ چکا تھا کہ مریض دو یا تین سال تک زندہ رہ سکتا تھا۔ ان ایکسرے کو ایک لفافہ میں بغیر کسی کا نام لکھے ڈاکٹر ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹیلی جو کہ بمبئی کا مشہور ڈاکٹر تھا اس کی تجوری میں منتقل کر دیا گیا۔"

اگر اس کہانی کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جناح صاحب کی شخصیت وہ واحد شخصیت تھی کہ جس پر مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا دارومدار تھا۔ اگر وہ راستہ سے ہٹ جاتے تو پوری تحریک ختم ہو جاتی۔ یہ کہانی اس وقت اور بھی دلچسپ رنگ اختیار کر لیتی ہے کہ جب اس میں ایک ہندو ڈاکٹر، ہندوستان کے اتحاد پر اس راز کو مخفی رکھتا ہے اور اسے افشا نہیں کرتا۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے نزدیک پروفیشنل اخلاقیات سیاسی تقاضوں سے زیادہ اہم تھی۔ جناح صاحب کی بیماری کی یہ کہانی اس قدر مشہور ہوئی کہ اس نے بھی ان کی شخصیت کو اور زیادہ پراسرار بنا دیا۔

1997ء میں ہندوستان اور پاکستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر برطانوی مورخ پیٹرک فرنچ (Patrick French) نے ایک کتاب "آزادی یا موت" شائع کی۔ اس کتاب کے لکھنے میں اس نے اس دستاویزات سے مدد لی کہ جو حال ہی میں حکومت برطانیہ نے اسکالرز کے لئے مہیا کیں۔ مزید تحقیق کے لئے اس نے ہندوستان و پاکستان کا سفر کیا، لوگوں سے انٹرویوز کئے، اس کے نتیجہ میں اس نے جو تحقیق کی اس نے فرانسیسی مصنفوں کی بیان کردہ کہانی کو غلط ثابت کر دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ جہاں تک جناح صاحب کی بیماری کا واقعہ ہے یہ کوئی راز نہیں تھا۔

1949ء کی دہائی میں پریس میں ان کے جو فوٹو چھپے ہیں ان میں وہ بیمار نظر آ رہے ہیں۔ دوسرے مسلم لیگ کی تحریک کو ایک شخص کی ذات میں محدود کر دیا، اور یہ کہنا کہ صرف ان کی ذات سے پاکستان وجود میں آیا، یہ پاکستان کی تحریک اور تاریخ کو بہت ہی محدود اور تنگ دائرہ میں رہ کر دیکھنے والی بات ہے۔ اس نے مزید مصنفوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ مئی 1946ء میں بمبئی گئے ہی نہیں بلکہ اس وقت دہلی میں اور شملہ میں کیبنٹ مشن سے بات چیت میں مصروف تھے۔ اس کی تحقیق کے مطابق جے۔ اے۔ ایل۔ ٹیلی نامی کسی ڈاکٹر کا وجود ہی نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے کہ 1946ء میں جناح صاحب تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہوں، لیکن دستاویزات میں ایسی کوئی شہادت نہیں کہ جو اس تھیوری کو صحیح ثابت کرے۔

لیکن دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جناح صاحب نے کئی بار اس بات کا اظہار کیا کہ پاکستان کو وجود میں لانے والی ان کی واحد ذات ہے کہ جس کی وجہ سے نئی ریاست کا قیام ممکن ہوا۔ اس ضمن میں انہوں نے کئی بار یہ کہا کہ "پاکستان میں نے اور میرے ساتھ اکثر نے بنایا ہے۔" اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ وہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے خوش نہیں تھے، ان کے نزدیک سب کے سب نااہل تھے، اور اس قابل نہیں تھے کہ ملک کی باگ ڈور سنبھال سکیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ جناح صاحب نے اپنی بیماری کے پیش نظر یہ درست سمجھا ہو کہ "ڈیک زدہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پاکستان" کو حاصل کر لیا جائے۔ یہ بات آگے چل کر درست بھی ثابت ہوئی، کیونکہ ان کی وفات کے بعد یہ سیاسی راہنما ملک کے مسائل کو حل کرنے میں بری طرح سے ناکام ہو گئے۔ ان راہنماؤں کی ناکامی نے جناح صاحب کی شخصیت کو اور زیادہ ابھارا، اور عوام میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ اگر جناح صاحب اور زیادہ عرصہ زندہ رہتے تو پاکستان ان حالات و مصائب سے دوچار نہیں ہوتا کہ جو ان کی وفات کے بعد ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قوم نے تو انہیں اس لئے عزت و احترام سے یاد رکھا کہ انہوں نے ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک علیحدہ ملک بنایا، مگر حکمران طبقوں نے اپنی نااہلی اور بدعنوانی کو چھپانے کیلئے ان کے نام کو استعمال کیا اور اس وقت یہ حال ہے کہ یونیورسٹیوں، کالجوں، ہسپتالوں اور شاہراہوں کے نام ان پر رکھے گئے ہیں۔ پاکستانی شہری کسی شہر میں جائے، شہر کے کسی حصہ میں جائے، وہاں اسے جناح صاحب کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ نصاب کی کتابوں میں انہیں بطور "قائداعظم" پیش کیا جاتا ہے تاکہ نوجوان نسل ان کے کارناموں سے واقف ہو۔ اس ملک کے دانشوروں اور اسکالرز کے لئے قائداعظم پر لکھنا ایک انڈسٹری بن گئی ہے ان پر جو بھی لکھا جائے اس کتابوں پر حکومت اعانات، کرامات و خطابات دیتی ہے یہ کتابیں سرکاری کتب خانوں میں اجیروں خریدی جاتی ہیں، جس سے پبلشر اور مصنف دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

جب ہائی وے میں گاندھی پر فلم بنی تو اس کے جواب میں جناح صاحب پر بھی فلم بنائی گئی، جس پر بے تحاشا پیسہ خرچ ہوا، مگر جو کوئی عالمی شہرت حاصل نہیں کر سکی۔ اب ہر سال 25 دسمبر کو قائداعظم کی سالگرہ ایک رسم بن گئی ہے کہ جس دن اخبارات اپنے ایڈیشن نکالتے ہیں۔ سیاستدان بیانات دیتے ہیں حکمران عوام کو تلقین کرتے ہیں کہ قائد کے نقش پر چلیں، اس طرح قائداعظم حکمران طبقوں کے لئے ایک علامت بن گئے ہیں کہ جن کے نام پر وہ حکومت کرتے ہیں اور عوام کا استحصال کرتے ہیں۔

اب قائداعظم کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور اہم ہو گئی ہے کہ اگر کوئی بھی یہ دعویٰ کرے کہ وہ ان سے ملا تھا، ان سے بات چیت کی تھی، یا ان کی تقریر سنی تھی، تو وہ فوراً تحریک پاکستان کا اہم کارکن بن جاتا ہے اور ساتھ ہی میں "رفیق قائد" کا خطاب پا کر معاشرہ میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیتا ہے۔ قائداعظم کے اس قرب سے ہمارے حکمرانوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، مثلاً ذوالفقار علی بھٹو نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ بحیثیت طالب علم کے انہوں نے بھی قائداعظم کو ایک خط لکھا تھا، ضیاء الحق کے زمانے میں ان کے کچھ خوشامدیوں نے تو جناح صاحب کی ڈائری بھی دریافت کر لی تھی، یہ وہی وقت تھا کہ جب جرمنی میں ہٹلر کی ڈائریاں دریافت ہوئی تھیں جو بعد میں جعلی ثابت ہوئیں۔ جناح صاحب کی ڈائری کا بھی اس کے بعد پتہ نہیں چلا کہ کہاں گئی۔ نواز شریف نے قائداعظم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو "قائد ثانی" کا خطاب دیدیا۔ اس قسم کی ایک مثال فرانس کی تاریخ میں ملتی ہے کہ جب نپولین سوم نے اپنی شخصیت کو بڑھانے کے لئے پولیس اول کو اپنا بال بنایا، تو کارل مارکس نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہیگل نے کسی جگہ لکھا ہے کہ اہم واقعات اور شخصیات کسی دوسری شکل میں دوبارہ سے ماحول اور حالات میں ابھر کر آتے ہیں۔ لیکن دو ایک بات بھول گیا کہ پہلی بار یہ المیہ کی شکل میں آتے ہیں تو دوسری بار جعلی روپ میں۔

پاکستان میں جناح صاحب کی شخصیت ایک ایسی دانشوری اور فکر کی علامت بن گئی ہے کہ جس کی وجہ سے لوگوں میں یہ خیال ہے کہ پاکستان کا جو وژن انہوں نے دیکھا تھا وہ پورا نہیں ہوا۔ لیکن جب ان کے وژن کی بات آتی ہے تو یہیں سے اختلافات شروع ہو جاتے ہیں کہ وہ آخر کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے؟ کیا ان کے ذہنی ریاست کے حکمرانوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، مثلاً ذوالفقار علی بھٹو نے چاہتے تھے؟!!

1 ☆☆☆

2 ☆☆☆

3 ☆☆☆

4 ☆☆☆

5 ☆☆☆

6 ☆☆☆

7 ☆☆☆

8 ☆☆☆

9 ☆☆☆

10 ☆☆☆

11 ☆☆☆

12 ☆☆☆

13 ☆☆☆

14 ☆☆☆

15 ☆☆☆

16 ☆☆☆

17 ☆☆☆

18 ☆☆☆

19 ☆☆☆

20 ☆☆☆

21 ☆☆☆

22 ☆☆☆

23 ☆☆☆

24 ☆☆☆

25 ☆☆☆

26 ☆☆☆

27 ☆☆☆

28 ☆☆☆

29 ☆☆☆

30 ☆☆☆

31 ☆☆☆

32 ☆☆☆

33 ☆☆☆

34 ☆☆☆

35 ☆☆☆

36 ☆☆☆

37 ☆☆☆

38 ☆☆☆

39 ☆☆☆

40 ☆☆☆

41 ☆☆☆

42 ☆☆☆

43 ☆☆☆

44 ☆☆☆

45 ☆☆☆

46 ☆☆☆

47 ☆☆☆

48 ☆☆☆

49 ☆☆☆

50 ☆☆☆

51 ☆☆☆

52 ☆☆☆

53 ☆☆☆

54 ☆☆☆

55 ☆☆☆

56 ☆☆☆

57 ☆☆☆

58 ☆☆☆

59 ☆☆☆

60 ☆☆☆

61 ☆☆☆

62 ☆☆☆

63 ☆☆☆

64 ☆☆☆

65 ☆☆☆

66 ☆☆☆

67 ☆☆☆

68 ☆☆☆

69 ☆☆☆

70 ☆☆☆

71 ☆☆☆

72 ☆☆☆

73 ☆☆☆

74 ☆☆☆

75 ☆☆☆

76 ☆☆☆

77 ☆☆☆

78 ☆☆☆

79 ☆☆☆

80 ☆☆☆

81 ☆☆☆

82 ☆☆☆

83 ☆☆☆

84 ☆☆☆

85 ☆☆☆

86 ☆☆☆

87 ☆☆☆

88 ☆☆☆

89 ☆☆☆

اتحاد اساتذہ کے دیرینہ ساتھی ذوالفقار حیدر ملک ریٹائر ہو گئے

انتقال پر ملال

علمی اردو لغت

480 — 200

علمی کتاب خانہ

ضروری اطلاع

0300-4508638
0321-4008654

اظہار تشکر

ادارہ اتحاد اساتذہ اخبار ہذا کی اشاعت میں تعاون پر "علمی کتاب خانہ" کا شکر گزار ہے۔

پروفیسر منصور اے ناصر کی اہم کتب

- Trend English for 1st year students
- Trend English for 2nd year students
- Trend English for B.A. students
- Trend English for B.Sc. Students
- Spoken English
- Principles of Precis Writing

ACCESS SUCCESS

بک ٹرینڈ — الحمد مارکیٹ — 40